

المحسین جید آباد

۵۱

جنوری ۱۴۳۷ھ

ساتھ دسترخوان پر بیٹھیں۔ چنانچہ جیب انہیں لا کر ایک ہی صف میں دسترخوان پر بٹھا دیا گیا تو ہمارے شیخ محترم اپنے سجادہ سے اٹھ کر ان کے ایک فرد کی طرح ان کے درمیان بیٹھ گئے۔ اور انہی کے ساتھ کھانا کھایا اس وقت میں ان کے چہرے پر ان کے باطنی پُر خلوص تواضع، عاجزی اور نکستی کی وہ جھلک نظر آئی جس سے ان کے ایمان اور وسیع علم و عمل کا پتہ چلتا ہے۔

اس ضمن میں مصنف فرماتے ہیں:- بعض مشائخ نے تواضع کو ذلت کا قائم مقام قرار دیا ہے، جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ حد اعتدال سے انحراف کیا گیا ہے۔ مصنف اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں۔

چونکہ انہیں اپنے مریدوں سے عزت و تکبر کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے وہ ان کی نفیستیں کا قلع قمع کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ اور وہ اس لئے کہ روحانی حالت کے غلبے کے ظہور کے ابتدائی دور میں شاذ و نادر ہی کوئی مرید خود پسندی سے خالی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اکابر صوفیہ کی طرف سے خود پسندی کے بہت سے اقوال منقول ہیں، جو غالباً حالت سکر کے آثار ہوتے ہیں۔

علم تصوف، صوفیائے کرام اور ان کے معاملات، حالات و مقامات، نیز ان کے قائم کردہ خانقاہی نظام کے فرائض و آداب کے متعلق حضرت شہاب الدین سہروردی کی یہ کتاب "عوارف المعارف" گویا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اور صرف ان موضوعات پر ہی یہ جامع کتاب نہیں، بلکہ اپنے وسیع معنوں میں یہ علم الاخلاق کی بھی ایک جہتم بالشان کتاب ہے۔ اس لئے یہ تصوف کی ان چند کتابوں میں سے شمار ہوتی ہے۔ جو گزشتہ سات آٹھ سو سال میں سب سے زیادہ پڑھی اور پڑھائی گئی ہے۔ اور اہل تصوف اور اہل شرع دونوں طبقوں میں مقبول رہی ہے۔

جب میں ان علوم سے فارغ ہو کر صوفیاء کے طریقہ کی طرف متوجہ ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے تکمیل کو پہنچتا ہے ان کے علم کا حاصل نفس کی گھائیوں کا قطع کرنا، اخلاقی ذمیرہ و صفات خبیثہ سے پاک و منزہ ہونا ہے تاکہ اس کے ذریعہ قلب کو غیر اللہ سے خالی کیا جائے اور اس کو ذکر الہی سے آراستہ کیا جائے۔ انام غزالی (قرآن اور تصوف تالیف ڈاکٹر میر ولی الدین)

میر اسفحسباز

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی

”ایک انسان کے عزم کی چٹنگی ساوی اور ارضی اسباب کو حرکت میں لے آتی ہے“ اصفیاء کے اس قول کی صداقت کا تجربہ مجھے حج کے سلسلے میں اپنی ذات پر ہوا۔ فریضہ حج کے لئے سفر کرنے پر جو پابندیاں عائد ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی بھی سال حج کے سلسلے میں حتیٰ فیصلہ کر لینا ناممکن نہ ہی، لیکن دشوار ضرور ہے اس کے ساتھ ہی میں نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ اس سال ۱۴۳۳ھ میں فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مجھے مشرق وسطیٰ کے عالم اسلام کی حیات بھی کرنی ہے۔

سفر میں کسی اچھے ساتھی کی رفاقت سے سفر کی صعوبات میں بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے میری ترقیب پر میرے دو مخلص دوست سندھ مسلم کالج کراچی کے دو استاذ پروفیسر ظہور احمد صاحب اور پروفیسر سید فخر الحسن بھی بیسے ساتھ سفر حجاز کے لئے تیار ہو گئے۔ ہم نے ایک طرف تو باقاعدہ طور پر سفر حج کے لئے درخواست دے رکھی تھی اور دوسری طرف انٹرنیشنل پاسپورٹ کے لئے بھی کوشش شروع کر دی تھی۔ کیونکہ حج کا پاسپورٹ صرف حجاز تک کام دیتا ہے اس سے آگے کی زیارت نہیں ہو سکتی۔

انٹرنیشنل پاسپورٹ تو اپنے کالج کے بعض مخلص تلامذہ کی کوششوں سے گھر بیٹھے ہی مل گیا۔ اس سلسلہ

میں سید غلام مصطفیٰ شاہ ناظم تعلیمات کراچی کی عنایتیں خاص طور سے قابلِ حال رہیں موصوف نے میری طرف سے ضروری گارنٹی اور ضمانت دی جس سے پاسپورٹ ملنے میں آسانی ہو گئی۔ جزاء اللہ خیر الخیراء۔

جس روز کراچی کے امیدواران حج کی درخواستوں کا فیصلہ بندلیہ قرعہ ہونا تھا اللہ پاک کی اعانت پر بھروسہ کرتے ہوئے

الحسین حیدر آباد

۵۳

جنوری ۱۳۳۵ھ

اپنے رفیق شفیق پروفیسر طور احمد صاحب کی معیت میں قرعہ کی جگہ پہنچا۔ کوئی آٹھ دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ہمارا نام کامیاب امیدواروں میں پکارا گیا، تو ہماری خوشی کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ اب خدا کے فضل و کرم سے ادائیگی فریضہ حج یقینی ہو گئی تھی۔

اس کے بعد سامان سفر کی تیاری شروع ہوئی۔ میں سفر میں بھاری بوجھ سے ہمیشہ گھبراتا ہوں۔ چنانچہ میں نے کم سے کم سامان ساتھ لے لینے کا فیصلہ کیا۔ اس سفر کی غایت حصول برکات اور ادائیگی فریضہ تھی اور اس میں تشہیر نامناسب تھی لیکن اسے اپنے کالج کے رفقاء اور دوستوں کے مخلص اور قریبی احباب سے کیے چھپا سکتا تھا۔ اس لئے مجبوراً ان کی کئی الوداعی دعوتیں قبول کرنی پڑیں۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ اخلاص و محبت کا مظاہرہ کالج کے جملہ شاگردوں نے بالعموم اور اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ نے بالخصوص کیا اور مجھے الوداع کہنے کے لئے کئی تقریریں کیں۔

۱۴ اپریل کو ہمیں سفینہ حجاج جہاز پر سوار ہونا تھا۔ اس روز آٹھ بجے صبح میرا ایک مخلص شاگرد محمد الیاس پوراچہ اپنی موٹر لے کر گھر پر پہنچا، اسی طرح میرے ایک دوست مولوی محمد جامی صاحب نے بھی یہی زحمت فرمائی۔ غرض بال بچوں کی معیت میں میں بندرگاہ پر پہنچا۔ کالج کے کئی ایک ساتھی اساتذہ، بعض مخلص تلامذہ اور دوست کئی کرم فرما حضرات الوداع کہنے کے لئے بندرگاہ پر موجود تھے۔ اتنے احباب کی وجہ سے سامان کی دیکھ بھال اور دوستوں میں بڑی آسانی ہوئی۔

قرآن مجید نے اولاد کو من جملہ آزمائش کے بتایا ہے میرا بڑا لڑکا سعید جو آٹھ برس کا ہے، اس خیال میں تھا کہ میں بھی ابا جان کے ساتھ جا رہا ہوں، کیونکہ یہاں بھی وہ حضور سفر میں ہمیشہ میرے ساتھ ہی ہوتا ہے وہ بندرگاہ پر پھولوں کے ہار ڈالے میرے ساتھ پھر رہا تھا۔ لیکن عین موقع پر جب میں سفینہ حجاج میں سوار ہونے کے لئے چلا تو مجھے سعید کو چھوڑنا پڑا۔ اس پر اس نے پیچ پکارا ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ چنانچہ اسے زبردستی پیکر کر موٹر میں بٹھانا پڑا۔ اور دو تین آدمیوں نے بمشکل اس کو موٹر میں روکے رکھا۔ اولاد کی محبت انسان کا فطری تقاضا ہے اس منظر کو دیکھ کر ایک گونہ رقت و طاری ہوئی لیکن قرآن مجید کی مذکورہ آیت کو یاد کرتے ہوئے میں جہاز پر چلا گیا۔

تین بج کر پینتالیس منٹ پر جہاز نے ننگر اٹھایا۔ اور جملہ عازمین حج تسبیح و تہلیل اور عبادت میں لگ گئے

الرحیم حیدر آباد

۵۴

جنوری ۱۹۶۳ء

بچہ دن تک مسلسل ہیں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ عدن سے آگے جہاز کو کافی ہچکولے بھی لگتے رہے، جن کا کہ ہم پر کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ ہم فٹ کلاس میں تھے۔ جہاز میں کھانے پینے کا بڑا اچھا انتظام تھا۔ راستے ہی میں ہم نے احرام تنے باندھا۔ اداس طسرح کفن بدوش حالت میں ہماری زبانوں سے لبیک لبیک کی آوازیں سارے جہاز میں گونج اٹھیں۔ احرام سے قبل تو ہر دفعہ ظہور احمد صاحب اپنی لمبی ظرافت اور فطری خوش دلی کی بنا پر کبھی کبھی دل بہلانے کا سامان فرماتے رہتے تھے۔ لیکن احرام باندھنے کے بعد تمام وقت ذکر و عبادت میں گزرنے لگا اور ہر لمحہ دیار حبیب میں داخل ہونے کا انتظار ہونے لگا۔ آخر الامر چھٹے روز صبح کو بندرگاہ جدہ قریب آگئی جیسے ہی جہاز بندر پر ننگر انداز ہوا، بہت سے عرب قلی سامان اتارنے کے لئے جہاز پر چلے آئے۔ کراچی بندرگاہ پر تو ہر ایک مسافر کو اپنی حفاظت میں اپنا سامان قلی کے ذریعہ جہاز پر چڑھانا یا اتارنا پڑتا ہے، لیکن بندرگاہ جدہ پر اس سے مختلف انتظام نظر آیا، قلی رب سامان جہاز پر ایک جگہ اکٹھا کرتے ہیں۔ پھر شین کے ذریعہ وہ اتارا جاتا ہے۔ اس طرح ایک تو حاجیوں کا سامان ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو جاتا ہے۔ کہ بعد میں بڑی دقت سے انہیں تلاش کر کے نکالنا پڑتا ہے۔ دوسرے سامان جمع کر کے یوں اتارا جاتا ہے کہ بھاری بوجھ کے تلے کئی صندوق ٹوٹ بھی جاتے ہیں اور محتاج کا کچھ سامان ضائع بھی ہو جاتا ہے۔ بہر حال ہم اپنا سامان جہاز پر چھوڑ کر نیچے اتر آئے۔

جہاز سے اترتے ہی ہم سے معلوم کے متعلق پوچھ گچھ شروع ہوئی معلوم کے وکیل غول درغول ہمارے انتظار میں کھڑے تھے۔ ہم نے تو کراچی ہی سے اپنے ایک قدیم دوست محمد ہاشم سندھی کو اپنا معلم مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ گیٹ پر اس کا نام بتا کر اب ہم آگے بڑھے تو معلم موصوف کے وکیل ابو زید نامی سے تعارف ہوا۔ اب وکیل کے آدمیوں کے ساتھ سامان کی تلاش شروع ہوئی۔ میرے ساتھیوں کا تو رب سامان مل گیا، لیکن میرا آدھا سامان غائب تھا۔

بعد ازاں اس غائب شدہ سامان کی کسم پاولی کی طرف سے تلاش شروع ہوئی، میں چونکہ بفضلہ تعالیٰ عربی اچھی بول سکتا تھا اس نے وہاں بڑا کام دیا۔ لیکن غائب شدہ سامان نہ ملا۔ میرے پاس حدیث اور فقہ کی کچھ کتابیں تھیں جن میں کچھ تو مجلس علمی کی طرف سے مولوی عبدالرزاق صاحب کے لئے جو کہ جامعہ مدینہ

میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، امانت کے طور پر ملی تھیں، اور کچھ اپنی تھیں جنہیں حجاز کے چند احباب کے لئے بطور تحفہ لئے جا رہا تھا، وہ سب کسٹم والوں نے روک لیں، اور ان کتابوں کی مجھے رسید دے دی گئی۔ معلوم ہوا کہ حکومت حجاز کتابوں کو اندرون ملک لے جانے کے معاملہ میں بڑی سختی سے کام لیتی ہے تاکہ اس کے مذہبی عقائد کے خلاف یا اس کے متعلق کوئی مخالف کتاب حجاز میں داخل نہ ہونے پائے۔ حفظ ماقدم کے لئے حکومت کا یہ حفاظتی اقدام بے شک ٹھیک ہے لیکن اس کام پر علمائین ہوں جو وہیں کتابوں کو دیکھ لیا کریں، تو مشہور کتب حدیث اور دوسری دینی کتابیں اس داندگی سے محفوظ رہیں۔ میں نے کسٹم والوں کو بہت کہا کہ ان کتابوں میں ایک کتاب 'نصب الراية فی تخریج' احادیث الہدایتہ" تو بہت مشہور ہے جو مصر میں چھپی ہے اور فن حدیث میں ہے۔ لیکن انہوں نے میری ایک بھی نہ سنی، مجبوراً وہاں سے نکل کر ہم حاجی کیمپ میں پہنچے۔ حاجیوں کی وجہ سے وہاں بڑی چہل پہل تھی خورد و نوش کے لئے ہوٹل کھلے ہوئے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ سامان جو مالگوں کو نہیں مل سکا تھا حاجی کیمپ کے میدان میں پڑا ہوا نظر آیا، میں نے اس میں اپنے کھوئے ہوئے سامان کی تلاش شروع کی جو اس ڈھیر میں مل گیا اس سے حکومت کی مستعدی اور اہل کار کی دیانت و کارکردگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حکومت و مطوف کے واجبات مقررہ اور بس کا کرایہ وہیں مطوف کے وکیل البوزید کو ادا کرنا پڑا۔ رات ہم نے حاجی کیمپ میں گزاری، صبح بس کے انتظار کو چھوڑ کر ہم نے 'تنازل' کا درقہ لے لیا، درنہ بس کے انتظار میں سارا دن ضائع جاتا۔ "تنازل" کے معنی ہیں اپنے حقوق سے دستبردار ہونا۔ جس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ ایک مخصوص فارم پر یہ لکھ دینا چاہتا ہے کہ ہم نے دستور کے مطابق بس کا جو کرایہ ادا کیا ہے، اس سے ہم دستبردار ہوتے ہیں، ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم اپنی مرضی سے سفر کریں۔ اس کے بعد حکومت کے متعلقہ افسر کے دستخطوں سے اجازت نامہ مل جاتا ہے اور آپ کو یہ بھی ٹیکسی کر کے جاسکتے ہیں "تنازل" کا درقہ لئے بغیر آپ موٹر ٹیکسی پر سواری کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ہم نے ایک ٹیکسی پکڑی اس پر سامان لا دیا اور اللہ کا نام لے کر چل دیئے۔ چارہ سے مکہ تک کی شاہراہ بڑی اچھی اور پختہ ہے۔ آنے اور جانے کے لئے الگ الگ راستے تھے۔ ٹیکسیاں بڑی پُر تکلف اور آرام دہ ہیں۔ ان ٹیکسیوں کی طرح کی کاریں اپنے ہاں

تو مشر ذراء اور بڑے بڑے افسروں کو ہی نفیب ہوتی ہیں۔ ہماری ٹیکسی کے ڈرائیور نے جیسے ہی کار چلائی شروع کی، ریڈیو سیٹ سے عربی گانے بھی شروع ہو گئے۔ ہم چونکہ احرام کی حالت میں تھے جو کہ ایک عبادت ہے اس لئے ہمیں یہ گانا بجانا پسند تو نہیں تھا لیکن وہاں اس معاملہ میں اتنی آزادی ہے کہ الامان والمفیظ محبوباً خاموش رہنا پڑا۔ آگے چل کر خود حرم یعنی مسجد الحرام کے دروازوں پر ہم نے لوگوں کے ہاتھ میں ریڈیو ٹرانسپیر بچتے ہوئے دیکھے۔ ڈرائیور سے میں نے عربی میں بات چیت شروع کی تو وہ کہنے لگا کچھ ہے کہ زبان باہمی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، وہ میرے ساتھ اتنا مانوس ہو گیا کہ کھل کر اپنے ملک یمن اور وہاں کی حالات کے متعلق میرے سوالات کا جواب دیتا رہا۔

سعودی حکومت اور متحدہ عرب جمہوریہ کی باہمی پر خاش کی وجہ سے حماز میں ریڈیو سے مصری پروگرام سننا ممنوع ہے، لیکن وہاں کے عوام سرکاری لوگوں کے سامنے تو اس قانون کا احترام کرتے ہیں، باقی ویسے وہ زیادہ تر مصری پروگرام ہی سنتے ہیں۔ ہمارا اپنا مشاہدہ تو یہی ہے۔ جدہ سے چل کر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، ہمارے ذہن میں تو قدیم مکہ کا نقشہ تھا جہاں مکہ کی ناہموار گلیوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو توحید و امن و سلامتی کا پیغام سناتے اور ان کی طرف سے اذیتیں جھیلنے پھیلنے لگتی تھیں اب تو وہ حالت نہیں رہی، جس راستے سے ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اس پر واقع چوراہوں میں چھوٹے چھوٹے باغچے تھے، جو پھولوں سے اٹے ہوئے تھے۔ پُر پیچ گلیوں کی جگہ بڑی بڑی سڑکیں تھیں، ڈرائیور ہمیں محلہ مسفلہ کے اندر معلم محمد ہاشم سندھی کے ہاں لے گیا۔ معلم صاحب کو اپنے جدہ کے وکیل کے ذریعہ ہماری آمد کا پہلے سے ہی علم تھا اور وہ ہمارے خیر مقدم کے انتظار میں تھے، انہوں نے ہمیں شروع میں تو اپنی کوٹھی پر بہانہ رکھا اور دو پہر کو عربی دستور کے مطابق ہماری پُر تکلف دعوت کی اور پھر ہم سب ایک کمرے کے مکان میں منتقل ہو گئے جو صرف موسم حج کے لئے ایک ہزار سال پر حاصل کیا گیا تھا۔ حسن اتفاق سے یہ مکان ایک مدنی نوجوان عالم سید حافظ عبدالجلیل کا تھا، جو حبشی مشرب کے تھے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے پیرو معلوم ہوتے تھے، لیکن ان میں تعصب کا نام و نشان تک نہ تھا۔ بد قسمتی سے بیمار اپنے ہاں زیادہ پایا جاتا ہے۔ انہیں معمولی معمولی اختلافی مسائل پر لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔

ان صاحب سے میری آزادانہ علمی باتیں ہوتی تھیں کہنے اگرچہ وہ خفی مذاق کا عالم سمجھتے تھے۔ لیکن وہ میری وسعت معلومات سے بڑا متاثر ہوتے تھے۔ واللہ الحمد۔ ان نو جوان عالم سے اعلیٰ حجاز کے متعلق عموماً اور مکہ مکرمہ کے متبحر علماء کے متعلق خاص میں طور پر بڑی مفید معلومات حاصل ہوئیں۔

مناسک حج کے سلسلہ میں ہمارا احرام عمرہ کا تھا، لہذا طواف بیت اللہ، سعی مفاد و وہ اور سر منڈانے کے بعد ہم لوگ حالت احرام سے نکل آئے۔ اس کے بعد بارگاہ خدادادی میں عبادت کا یہ عالم تھا کہ بس طواف پر طواف اور صبح و شام حرم بیت اللہ کی حاضری رہتی تھی۔ مجھے تو وہاں کے مدارس اور علما کی مجالس میں بھی جانا پڑتا تھا۔ باقی میرے دونوں ساتھی شب و روز عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

بیت اللہ میں پہلے ہی روز ایک بخاری عالم سے ملاقات ہوئی جنہیں وہاں مخدوم بخاری کہا جاتا ہے۔ مجالس احرام میں یہ دستور ہے کہ مکہ مکرمہ کے وہ علماء اور صحابہ جو کہ حرم میں وعظ کرنے اور درس دینے کے مجاز ہیں مغرب کی نماز سے پہلے وہاں پہنچ جاتے ہیں، جیسے ہی نماز مغرب سے فراغت ہوتی ہے ہر ایک عالم طلبہ یا عوام کے ایک اجتماع سے خطاب کرتا ہے۔ اسی طرح سارے ہمیں آپ کے مختلف اجتماع نظر آئیں گے، باب عمرہ کے قریب مجھے اس قسم کا ایک اجتماع نظر آیا۔ عین وسط میں ایک معرہ بخاری عالم عالمانہ و عجب و داب سے بیٹھے ہیں، لوگ آتے ہیں۔ ان سے مصافحہ کرتے ہیں مسائل پوچھتے ہیں، کچھ ہندوستانی اور پاکستانی حجاز یا حجاز چوسنے کی بھی کوشش کرتے ہیں، لیکن وہ بزرگ جھٹکا دے کر ایسے لوگوں سے اپنا ہاتھ چھڑا لیتے ہیں اور پھر ان کو سمجھاتے ہیں بھی آگے بڑھا۔ اپنا مختصر تعارف کرایا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں نے علامہ عبداللہ سندھی سے استفادہ کیا ہے، علامہ موسیٰ حارث اللہ کو جانتا ہوں اور ان کی کتابیں پڑھی ہیں۔ وہ مجھ سے بغلیگر ہو گئے۔ اور انقلاب روس سے لے کر اب تک کے واقعات اپنی پرانی یادداشت سے سنانے لگے۔

میں نے ان کو تفسیر البہام الرحمن جلد اول جمع و ترتیب علامہ موسیٰ حارث اللہ کا ایک نسخہ ہدیہ کے طور پر پیش کیا اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے، اور علامہ موسیٰ حارث اللہ کے متعلق یہ قصہ سنایا۔ حضرت علامہ سے میری پہلی ملاقات انقلاب بخارا سے پہلے ہوئی تھی جب وہ بخارا میں علماء کے ایک اجتماع میں شامل ہونے کے لئے تشریف لائے تھے۔ وہ جوان تھے اور میں چھوٹا تھا۔ اور ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک

مقامی عالم نے میرے استاد سے یہ دریافت کیا کہ علامہ موسیٰ کی موت نہیں بڑی معلوم ہوتی ہیں میرے استاد نے اس کو ڈانٹ کر یہ جواب دیا کہ خاموش ہو جا! موسیٰ کی موت کچھ کا ایک بال ان بارش بزرگوں کی داڑھیوں پر فضیلت رکھتا ہے۔

مخدوم بخاری فرماتے لگے کہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب علامہ موسیٰ جارا اللہ کے بعض تحقیقی رسائل کے خلاف

استنبول کے شیخ الاسلام علامہ مصطفیٰ صاحب موقف العقل والنقل نے فتویٰ صادر کیا تھا فرماتے لگے کہ علمائے

حق کے خلاف ہر زمانے میں اس قسم کا شور و غوغا ہوتا رہا ہے پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا نام لیا اور کہا کہ ان کے خلاف کیا نہیں ہوا۔ کہنے لگے کہ جب درس کا بخارا پر تسلط ہوا تب کہیں جا کر ہمارے بزرگ علمائے کی آنکھیں کھلیں۔

اور ان کو علامہ موسیٰ جارا اللہ کی قبل از انقلاب والی نعیمتیں یاد آئیں۔ علامہ موسیٰ اگرچہ حنفی المشرع تھے لیکن ان میں

وہ جود نہیں تھا جو دوسرے علمائے تھا۔ انقلاب روس کے بعد جب وہ ہمارے ہاں تشریف لائے تو وہاں کے

چند علماء ان سے ملے اور ان سے یہ استفادہ کیا ہو مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ ہاں موسیٰ صاحب! یہ بتائیے کہ ماوراء النہر

کے مسلمانوں پر روس کا کیوں تسلط ہوا؟ خدا تعالیٰ نے ہماری کیوں مدد نہ فرمائی؟ وغیرہ وغیرہ علامہ مرحوم خوش

میں آکر فرمانے لگے کہ خدا تمہاری مدد کیونکر کرتا۔ تم نے تو عدالتوں میں فیصلہ سناتے ہوئے کبھی یہ نہ کہا کہ اللہ

نے یہ فرمایا یا اس کے پیغمبر کا یہ فرمان ہے ”تم تو صرف فقہاء کا نام لیتے رہے، اب فقہاء ہی آکر آپ کی

مدد کریں!!

مخدوم بخاری نے علامہ موسیٰ جارا اللہ مرحوم کی دیار حبیب اور حرم مکہ سے محبت کا ایک قصہ سنایا۔

کہنے لگے کہ مجھے جب مکہ مکرمہ میں یہ معلوم ہوا کہ علامہ موسیٰ جارا اللہ مصر میں صاحب فراش ہیں اور یہ ان کا عمر

موت تھا تو میں نے صرف ان کی مزاج پر کسی اور زیارت کے لئے قاہرہ کا سفر کیا۔ علامہ مرحوم نہایت علیل تھے جب

ان کو معلوم ہوا کہ ایک بخاری عالم مکہ مکرمہ سے ان کی عبادت کے لئے حاضر ہوا ہے تو انہوں نے فوراً اندر بلا

لیا اور مجھے دیکھ کر رونے لگے اور کہا کہ کیا میں انتابڑا آدمی ہوں کہ حرم مکہ سے ایک شخص تکلیف اٹھا کر مجھے

دیکھنے کے لئے قاہرہ پہنچے۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگ گئے۔ میں نے ان سے کہا کہ یا شیخ! آپ کی آنکھوں نے شیخ

محمد عبدالودود رشید رمانا جیسے بزرگوں کو دیکھا اور ان کے درس میں بیٹھنے کا آپ کو نفع حاصل ہے۔ میں تو اس کو بڑی

بات تصور کرتا ہوں۔ یہ سن کر فرمانے لگے کہ ہاں! میں ہوں تو گنہگار لیکن یہی ایک امید ہے کہ بزرگوں کے طفیل

بخشا جاؤں۔

مخدوم بخاری چالیس سال سے مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر ہیں۔ وہ دن کو مدرسہ تحفیظ القرآن میں درس دیتے ہیں اور مغرب کے بعد حرم میں وعظ و نصیحت فرماتے ہیں۔ دوبارہ مجھے بھی مسجد الحرام میں ان کی عربی تقریر کی اردو میں ترجمانی کرنی پڑی، لیکن میں نے دیکھا کہ حرم میں اس طرح خطاب کرنے سے طبیعت میں کچھ بڑائی پیدا ہونے لگی اس لئے عمداً میں نے ترجمانی چھوڑ دی، باقی مخدوم بخاری سے علمی ملاقاتیں میں ان کے دولت خانہ واقع کلی بخاری متصل باب سعود پر حاضر ہو کر کرتا رہا۔ مخدوم بخاری نے مجھے کئی کتابیں ہدیہ کے طور پر عنایت فرمائیں، ان میں کچھ وہ رسائل بھی ہیں جو کہ علامہ موسیٰ جارا اللہ کے خلافت یا تائید میں لکھے گئے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں چار بڑے عالم مانے جاتے ہیں، جن کو ”اعلم حجاز“ کہا جاتا ہے، ان میں سے دو تو گوشہ نشین ہو گئے ہیں اور لوگوں سے کم ملتے ہیں۔ ایک صاحب حکومت کی ملازمت میں ہیں، باقی چوتھے عالم سید علوی مالکی ہیں، جن کی علمی محفل کے متعلق سنا تھا ہمیشہ گرم رہتی ہے۔ وہ حرم میں بعد نماز مغرب مقام ابراہیم کے محاذات میں مسجد الحرام کی چھت کے نیچے درس حدیث دیتے ہیں۔ ۲۴ اپریل کی شام کو حرم میں ان کی خدمت میں پہنچا، جب میں نے انہیں اپنا نام بتایا تو نہایت ہی بے تکلفانہ انداز میں مجھ سے معاملہ کیا اور فرماتے گئے کہ میں آپ کو غائبانہ جانتا ہوں، اور میں نے آپ کا نام سنا ہے۔ یہ مشفقانہ جملہ فرمایا کر مجھے بالکل اپنے قریب بٹھایا۔ اس کے بعد صحیح بخاری کا درس دینے میں مشغول ہو گئے۔ سامعین کا بڑا ہجوم تھا۔ ایک حضروتی شاگرد جس کے چہرہ پر ابھی بال بھی نہیں آئے تھے عربی لہجہ میں عبادت پڑھ رہا تھا اور شیخ فصیح عربی میں اس کی شرح کرتے جاتے تھے۔

سید علوی مالکی کی اپنے ہم عصروں میں جو امتیازی خصوصیت ہے وہ ان کی فصاحت ہے آپ بہت بڑے ادیب اور فصیح اللسان عالم ہیں، میرے بزرگ دوست مولانا محمد یوسف صاحب بخاری شیخ الحدیث دارالعلوم نہایتی کراچی جو کہ عرب کے علماء سے اچھا تعارف رکھتے ہیں اور بالعموم سال بال حج کے لئے جاتے رہتے ہیں اور اس سال بھی تشریف لائے گئے تھے وہ بھی سید علوی مالکی کی فصاحت بیانی کے معترف ہیں۔

شیخ علوی مالکی کے درس کی دوسری خاص چیز جو مجھے نظر آئی، وہ تھی ان کی رجال سند پر بحث۔ اپنے

ہاں شمعِ حدیث پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور کہیں کہیں اختلافی مسائل میں اسناد کے رجال پر کچھ کہا جاتا ہے، لیکن سید علوی مالکی کو دیکھا کہ وہ درس کے دوران ہر سند کے ایک ایک راوی کے سلسلہ نسب اور اس کے سوانح حیات بیان کرتے چلے جلتے تھے یہ ان کی غیر معمولی قوتِ حافظہ کی دلیل ہے۔ یہ درس عشاء کی اذان تک جاری رہا درست فاسخ ہونے کے بعد انہوں نے شامِ دعوت کے علماء اور اپنے صاحبزادہ سید محمد علوی سے میرا تعارف کرایا اور دس گھنٹوں بعد صلوٰۃ عصر اپنے دولت خانہ پر حاضر ہونے کے لئے کہا۔

دس گھنٹوں بعد صلوٰۃ عصر پر دفیئر فخر الحسن صاحب کو ساتھ لے کر علامہ علوی مالکی کے دولت خانہ پر پہنچا جو کہ سلیمانیہ میں واقع ہے۔ شیخ کی علمی محفل گرم تھی۔ علماء اور معتقدین کا ایک جم غفیر حاضر تھا۔ اور آپ سوڈانی علماء سے خطاب فرما رہے تھے۔ سوڈانی میں زیادہ تر مالکی مذہب رائج ہے اس لئے اکثر سوڈانی شیخ علوی کے ہاں آتے رہتے ہیں۔ ویسے بھی سید علوی مرجع علماء و صلحا ہیں۔ جیسے ہی انہوں نے مجھے آتے دیکھا مرحبا کہنے کے لئے اٹھے۔ معاف اور مصافحہ کیا اور جس تکبیر سے لگ کر خود بیٹھ گئے وہیں مجھے بٹھادیا۔ یہ ان کی کرم فرمائی تھی۔ میں نے پر دفیئر فخر الحسن صاحب کا بھی شیخ سے تعارف کرایا پڑے خوش ہوئے، اور پھر سوڈانی ذرائعین سے معروف گفتگو ہو گئے۔ اس وقت سوڈانیوں سے یہ فرما رہے تھے

یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ عوام کو علماء سے الگ رکھا جائے اور اس کا نتیجہ الحاد ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب علماء صالح اور اچھے ہیں۔ ان میں سے کچھ علماء سورا اور فتنہ پرداز بھی ہوتے ہیں۔ ان سے بچیں، صلحا کا کہا میں اور ان سے علم دین سیکھیں۔ جب تک قرآن موجود ہے کوئی اس کے خلاف کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اس مرحلے پر سوڈانیوں نے سید صاحب سے استفادہ کیا کہ ہمارے مالکی علماء کی دو جماعتیں ہیں ایک جماعت نمازیں ہاتھ باندھنے پر زور دیتی ہے اور دوسری اس کی زبردست مخالفت کرتی ہے جواب میں سید علوی مالکی نے فرمایا کہ:-

اس مسئلہ میں امام مالک سے دو روایتیں ہیں ایک روایت موطا کی ہے جس سے عقد (ہاتھ باندھنا) ثابت ہوتا ہے اور دوسری روایت مدونہ کی ہے جس سے ارسال (ہاتھ نہ

ابتدائی روایات پڑھ کر ان کے طریقے کی اجازت حاصل کی اور فرمایا کہ شیخ بیاضت اور انگریزوں کی مخالفت میں ہنمک تھے۔

میں سید علوی کی علمی مجالس میں اکثر حاضر ہوتا تھا۔ ان کے صاحبزادہ سید محمد علوی نے اس احقر سے حجتہ اللہ اور شیخ الہدیس کا ایک رسالہ پڑھنے پر اصرار کیا، مشاغل کثیرہ کے باوجود ان کے اصرار پر مجھے اس کے لئے کچھ وقت نکالنا پڑا۔

۲۶ اپریل کو جیسے ہی عمر کی ناز سے فارغ ہوا، اپنے ایک قدیم دوست قاری رعایت اللہ صاحب سے ملاقات ہو گئی ان کی معیت میں دارالندوہ کو دیکھا جو کعبۃ اللہ کے شمال میں واقع ہے۔ حرم کی توسیع کے سلسلہ میں اس طرف تعمیر ہو رہی تھی اس لئے دارالندوہ کا کچھ حصہ گرہ لیا جا چکا تھا۔ آئندہ تو اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ افسوس ہے اس قسم کے آثار قدیمہ کی طرف حکومت کوئی توجہ نہیں دیتی شاید اس کے نزدیک غالباً ان کو بھی بدعت شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مولد الجئی کی زیارت نصیب ہوئی، جہاں اب ایک لائبریری قائم کی گئی ہے، وہاں سے لوٹ کر مدرسہ مولیٰ کے دفتر میں بیچا جواب السعد کے قریب روڈ پر واقع ہے اور اکثر و بیشتر پاکستان اور ہندوستان کے علماء آتے رہتے ہیں۔ اسی روز مدرسہ مولیٰ میں بعد نماز جمعہ علماء کا بڑا اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں پاکستانی علماء میں سے مفتی محمد قتیق صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری خاص طور سے قابل ذکر ہیں ہندوستان کے علماء میں سے مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کو پہچانتا تھا۔ دفتر مہانوں سے پڑھا، مدرسہ کی طرف سے عربی طرز کا کھانا پیش کیا گیا۔ میزبانی کے فرائض حضرت مولانا حافظ محمد سلیم صاحب ناظم مدرسہ مولیٰ فرما رہے تھے۔ اور ان سے میرا تعارف پہلے ہی ہو چکا تھا، دو سکر بزرگوں سے مولانا بنوری صاحب نے میرا تعارف کرایا۔

اس اجتماع میں خاص طور پر زیر بحث مسئلہ اس مجلس اور عربی لٹریچر کا تھا، جو کہ لبنان اور امریکہ کی طرف سے مکہ مکرمہ میں دھڑا دھڑا پہنچ رہا ہے، سب علماء نے متفق طور سے علی میاں سے کہا کہ حکومت کی توجہ ادھر مبذول کرائیں لیکن آپ نے معذرت کی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مدارس کے متعلق بھی کچھ عرض کر دوں۔ مکہ مکرمہ میں صرف

الحسین حیدر آباد

۶۳

جنوری ۱۳۷۷ھ

تین مدارس تھے جو حکومت کے تسلط سے آزاد تھے۔ ان کا نصاب تعلیم بھی اپنا تھا۔ (۱) مدرسہ مولانہ (۲) مدرسہ الفلاح (۳) مدرسہ دارالحدیث خیریہ۔ مدرسہ الفلاح کے منتظمین نے تو حال ہی میں اپنا مدرسہ حکومت کے حوالہ کر دیا ہے اور اب وہاں سرکاری مدارس والا نصاب جاری ہے۔ اپنے دونوں ساتھی پروفیسروں کی معیت میں اس مدرسہ کی زیارت کی۔ اچھی خاصی بلڈنگ ہے۔ سید علوی مالکی اور سید محمد مغربی بتانی جیسے مشاہیر علماء اس مدرسہ میں درس دیتے تھے۔

دارالعلوم حرم مولانہ کے مونس مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ہیں۔ حضرت مولانا قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر میں ماہ جمادی الاول ۱۳۳۳ھ میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلہ نسب حضرت عثمانؓ سے ملتا ہے بارہ برس کی عمر میں قرآن ختم کرنے کے ساتھ ساتھ دینیات اور فارسی کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھیں اس کے بعد دہلی بغرض تعلیم تشریف لے گئے اور مولانا محمد حیات صاحب کے مدرسہ میں داخل ہوئے تحصیل علم کا شوق مولانا کو لکھنؤ لے گیا اور مفتی سعد اللہ صاحب سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہوا۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کے اساتذہ کے اسما و گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا محمد حیات صاحب (۷) مفتی سعد اللہ صاحب (۳) مولانا احمد علی صاحب بدولی ضلع مظفر نگر جو آخر میں دہلی ریاست پٹنہ ہو گئے تھے۔ (۸) عارف باللہ مولانا عبدالرحمن صاحب چشتی۔ یہ استاد شاہ وقت تھے تمام علوم و فنون میں جہارت تامہ رکھتے تھے۔

ہندوستان میں مولانا رحمت اللہ کے درس و تدریس کا زمانہ بہت کم ہے کیونکہ نصاریٰ کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کی فکر نے آپ کو اس کا موقع نہ دیا، چند سال دربار کیرانہ کی مسجد میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ کے فیض یاب طلبہ میں سے چند خاص نام درج ذیل ہیں۔ ہندوستان میں مولانا کے جو خاص تلامذہ تھے ان میں سے بعض اصحاب نے مکہ معظمہ بھی پہنچ کر مولانا کے شرف تلمذ حاصل کیا۔

۱۔ مولانا عبدالسمیع صاحب۔ رامپوری۔ مصنف حمد باری (۲) مولانا احمد الدین صاحب چکوالی۔ یہ بزرگ بہت بڑے ادیب اور عالم تھے۔ کراچی سندھ میں بھی انہوں نے دیکھا۔ سندھ کے مشہور عالم مولانا صادق صاحب کھڑک والہ نے مولانا چکوالی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ (۳) مولانا نور احمد صاحب امرتسری (۴) مولانا شاہ

المحرم جید آباد

۶۴

جنوری ۱۹۶۳ء

ابوالخیر صاحب (۵) مولانا عبدالوہاب صاحب و بیوری بانی مدرسہ باقیات الصالحات مدراس (۶) مولانا بدرالسلام صاحب عثمانی کیرانوی ہتم حمید یہ کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ وغیرہم مولانا رحمت اللہ صاحب ہندوستان میں درس و تدریس کے ساتھ رد نصاریٰ کی ہمت میں بھی مصروف رہے یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اسلام کے خلاف زبردست ہم جہادی کر رکھی تھی۔ پادری فنڈل (Ravinder C. Funder) اور اس کی جماعت کے لوگ اسلام کے خلاف بڑی دل شکن تقریریں کرتے پادری فنڈل کی کتاب 'میزان الحق' سے عوام سہمے ہوئے تھے عیسائی مشنریوں کی ان جارحانہ کارروائیوں کے خلاف علمائے اسلام نے تیاری شروع کی اور مقابلہ کے لئے میدان میں آگئے اسلام کی حقانیت اور اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے رد نصاریٰ کی اس مذہبی جنگ کے قائد اول حضرت مولانا رحمت اللہ تھے۔ آپ نے اعلان فرمایا۔

”میں نے ہندوستان کے سب سے بڑے پادری جو علمائے مسیحی میں ممتاز حیثیت کا مالک اور میزبان کا مصنف تھا اس سے خواہش ظاہر کی کہ وہ میرے ساتھ جمع عام میں مناظرہ کرے تاکہ حق واضح ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام نے ان رسائل کی تردید اس لئے نہیں کی کہ وہ عاجز تھے بلکہ جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔“

بالآخر وہ مناظرہ ۱۱ رجب ۱۳۷۲ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۵۴ء کو کٹرہ عبدالمسیح اکبر آباد آگرہ میں منعقد ہوا مولانا کے ساتھ ڈاکٹر ذریخاں اور پادری فنڈل کے ساتھ پادری فریچ تھے۔ مولانا رحمت اللہ نے نسخہ و تحریف انجیل ہر فاضلانہ بحث کی اور خود عیسائیوں کی مطبوعات سے نسخہ و تحریف ثابت کر دی چنانچہ پادری فنڈل کو اعتراف کرنا پڑا کہ انجیل میں سات آٹھ جگہ تحریف ہوئی ہے اور یہ کہہ کے بھی دے دیا۔ تین دن تک مسلسل یہ مجلس مناظرہ منعقد رہی اور پادری صاحب کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

حضرت مولانا نے فتنہ مسیحیت کے استیصال کی غرض سے جو کتابیں رد نصاریٰ میں تالیف کیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(مسل)

(۱) الظہار الحق۔

۱۰ الظہار الحق ۳